محمد اسحاق

جزیرۂ قبرص

ماضی اور حال کے آئینہ میں

قبرص میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امیر المومنین عمر فاروقؓ (رضی اللہ عنہما) کے عہد خلافت میں بازنطینی سلطنت کو مسلمانوں کے ہاتھوں ایسی زبردست شکست ہوئی کہ بحیرۂ روم کا جنوبی حصہ اس کے تسلط سے بالکل باہر نکل گیا۔ اب بازنطینی حکومت نے بحیرۂ روم کے مشرقی حصہ کو مضبوط کرنے کی ٹھانی اور قسطنطنیہ کی حفاظت کے لیے اپنی تمام کوششیں وقف کر دیں۔ مسلمانوں کے اس مفتوحہ علاقہ کے گورنر حضرت معاویہؓ تھے۔ جنگی اور انتظامی معاملات میں ان کی نظر بڑی وسیع تھی۔ انھوں نے بازنطینی حکومت کی اس پالیسی پر غور کیا تو ضروری سمجھا کہ اسلامی حکومت کی سرحدوں کے تحفظ کے لیے ان حملوں کی روک تھام کی جائے جو بحیرۂ روم کے مشرقی اطراف سے مسلمانوں پر کیے جا سکتے ہیں۔

اس زمانے میں جزیرۂ قبرص کو بازنطینی حکومت کے ایک اہم مورچہ اور بہت بڑی پناہ گاہ کی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت معاویہؓ چاہتے تھے کہ اس پر قبضہ کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے اس کی اجازت طلب کی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے امیر معاویہ کی یہ درخواست قبول نہ فرمائی۔ مگر حضرت معاویہؓ اس کے لیے برابر کوشاں رہے۔ بالآخر ۲۷ھ میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہ قبرص پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو گئے

اور ایک طاقتور بحری بیڑہ لے کر ہلہ بول دیا۔ یہ اہل اسلام کا پہلا قافلہ تھا جو سرزمین قبرص میں اترا۔

صحابہؓ کی شرکت

قبرص کے اس حملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متعدد صحابہ کرام شریک تھے۔ جن میں حضرت ابو الدرداء، عبادہ بن صامت، شداد بن اوس، مقداد بن اسود اور ابو ذر غفاری رضوان اللہ علیہم وغیرہ حضرات قابل ذکر ہیں۔ صحابہ کے علاوہ اس مقدس کارواں میں کئی صحابیات بھی شامل تھیں۔ مثلاً حضرت عبادہ بن صامت کی اہلیہ محترمہ ام حرام بنت ملحان حضرت معاویہ کی بیوی فاختہ بنت قرظہ اور ان کی بہن بنت قرظہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن

حضرت ام حرام اس وقت بوڑھی ہو چکی تھیں لیکن بحری جہاد میں شمولیت اور شہادت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی تھی اس کی تکمیل کا جذبہ ان پر اتنا غالب تھا کہ وہ اپنی عمر اور صحت کی پرواہ کیے بغیر مجاہدین کے ساتھ جزیرہ قبرص کی طرف تشریف لے گئیں۔ ان مجاہدین کا جہاز سمندر کے کنارے لنگر انداز ہوا تو حضرت ام حرامؓ کو سواری کے لیے خچر پیش کیا گیا۔ جب خچر پر سوار ہوئیں تو خچر بدک گیا اور وہ گر کر شہید ہو گئیں۔ انھیں وہیں دفن کیا گیا۔ ان کی قبر "لارناکا" کی حسین اور خوب صورت جھیل کے کنارے اب بھی موجود ہے جو "ملا سلطان تکے" (یعنی سلطان کی خالہ کا تکیہ) کے نام سے معروف ہے۔ اس مقام پر ایک ایک خوب صورت مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔ جو سمندر میں دور ہی سے دکھائی دیتی ہے۔ بحرۂ روم میں جب جہاز قبرص کے قریب پہنچتے ہیں تو مسلمان ملاح فرط عقیدت سے جھنڈے سرنگوں کر دیتے ہیں۔ حضرت کتوہ بنت قرظہ نے بھی اسی حملہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

قبرص کی فتح اور شرط صلح

امیر معاویہؓ نے اس حملے میں جزیرۂ قبرص فتح کر لیا اور اہل قبرص کے ساتھ اس شرط پر صلح ہوئی کہ وہ خراج ادا کرتے رہیں گے۔ نیز یہ معاہدہ طے پایا کہ قبرص میں اسلامی سلطنت، اور

بازنطینی حکومت کے درمیان لڑائی میں غیر جانب دار رہے گا۔ لیکن اس فتح کے پانچ برس بعد ۳۲ ہجری میں اہل قبرص نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے خلاف بازنطینیوں کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

اس پر مسلمان پھر حرکت میں آ گئے اور اگلے سال ۳۳ ہجری میں حضرت معاویہؓ نے پانچسو جہازوں کا بحری بیڑہ لے کر قبرص پر حملہ کر دیا۔ اہل قبرص پھر صلح کے لیے ملتجی ہوئے۔ جسے حضرت معاویہؓ نے منظور کر لیا۔ لیکن اس دفعہ حضرت معاویہؓ نے ایک اہم قدم یہ اٹھایا کہ تقریباً بارہ ہزار شامی مسلمانوں کو لا کر اس جزیرہ میں آباد کر دیا، اور معاملہ کی دیکھ بھال کے لیے فوج کا ایک دستہ بھی متعین فرما دیا۔

امیر معاویہؓ کی وفات اور شامی باشندوں کا قتل عام

حضرت معاویہؓ کی وفات تک قبرص کی صورت حال بالکل ٹھیک رہی لیکن ان کی وفات کے بعد حالات پھر بگڑ گئے۔ یزید مسند نشین ہوا تو اہل قبرص کی درخواست پر اس نے فوج کو واپس بلا لیا۔ فوج کے وہاں سے نکلتے ہی مسلمانوں پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ قبرصی باشندوں نے مسلمان آبادیوں پر حملہ کر کے ان کو بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ بہت کم مسلمان جان بچانے میں کامیاب ہو سکے۔ جو قتل و غارت کی اس بے پناہی سے محفوظ رہے وہ واپس اپنے ملک شام چلے گئے۔ اہل قبرص نے بے شمار مسجدیں بھی جوش انتقام سے پیوند خاک کر ڈالیں۔

عبد الملک کا عہد حکومت

یزید کے بعد خلیفہ عبد الملک بن مروان کا عہد حکومت آیا تو اس میں بھی یہی سفاکانہ صورت حال تھی۔ اہل قبرص بدستور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں مصروف تھے۔ عبد الملک نے حکومت قبرص سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے عہد کی پابندی کرے لیکن بازنطینی حکومت آڑے آئی۔ وہ قبرص پر زور دے رہی تھی کہ وہ غیر جانب داری کی پالیسی کو ختم کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں بازنطینی حکومت کی حمایت کا کھلے الفاظ میں اعلان کر دے۔ اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ لیکن اہل قبرص

عبدالملک سے خوف زدہ ہو گئے اور انھوں نے خراج میں اضافہ کر کے دوبارہ صلح کرلی، اور غیر جانب دارانہ پالیسی پر قائم رہنے کا عہد کیا۔ اس کے ایک عرصہ بعد ۱۲۵ ہجری میں ولید ثانی کے عہد حکومت میں مستقل طور پر قبرص کو شام کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔

عہد عباسی

اموی حکومت کے آخری دور میں جب اس میں کمزوری کے آثار نمودار ہوئے تو وہ سرحدی معاملات کی طرف توجہ نہ دے سکی۔ اس کے بعد عباسیوں کا آفتاب حکومت طلوع ہوا تو اس نے ان مسائل پر غور کیا۔ چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ اقتدار میں ایک فوجی افسر حمید بن معیوف حمدانی کو شام اور بحیرۂ روم کی حفاظت و نگرانی کے اختیارات دیے گئے۔ اس نے حالات کا از سر نو جائزہ لیا۔ جنگی اعتبار سے اس نے قبرص کے علاقہ کو اولیں اہمیت دی اور ۱۸۰ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید سے اجازت لے کر قبرص پر حملہ کر دیا۔ اس زمانہ میں قبرص پر عیسائیوں کی گرفت بڑی مضبوط تھی اور ایک مشہور پادری اس کا گورنر تھا۔ لیکن یہ حکومت مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکی اور معمولی محاصرہ کے بعد قبرص فتح ہو گیا۔ پادری نے معاہدہ صلح کی درخواست کی جو خلیفہ ہارون الرشید نے منظور کر لی۔

عباسی دور میں قبرص بالکل غیر جانب دار رہا۔ وہاں نہ کسی قسم کی بحرانی کیفیت پیدا ہوئی اور نہ کسی بغاوت کے شعلے بھڑکے۔ لیکن عباسی حکومت کے آخری دور میں جب خلافت میں ضعف و کمزوری نمایاں ہوئی تو اس جزیرہ کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ کم ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں بازنطینی اثر و رسوخ دوبارہ ابھر آیا۔

قبرص فرینک خاندان کے قبضہ میں

گیارھویں صدی سے تیرھویں صدی تک یعنی پورے دو سو سال قبرص کا تعلق زیادہ تر غلام بادشاہوں سے رہا۔ رچرڈ اول شاہ انگلستان جب صلیبی جنگوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی سے مقابلہ کی غرض سے میدان میں نکلا تو راستہ میں بازنطینی حکمران سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ رچرڈ نے قبرص پر

ایک زوردار حملہ کرکے اسے فتح کرلیا اور ۱۱۹۲ء میں اس کو فرنیک خاندان کے ہاتھ فروخت کردیا۔ اس طرح قبرص میں بازنطینی اقتدار کی تاریخ ختم ہوگئی۔

فرنیک خاندان کے حکمرانوں نے قبرص سے اسلامی اثر و رسوخ کو ختم کرنے کی ازحد کوشش کی اور اس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ اسی حوصلے پر اس خاندان کے پیٹرس اول کے جانشین شاہ جانوس نے مصر کے غلام بادشاہ کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی۔ ادھر خاندان غلاماں کے بادشاہ بھی بڑے طاقتور تھے۔ چنانچہ چند بحری جھڑپوں کے بعد ۱۴۲۶ء میں بارس بی غلام سلطان نے ۱۸۰ جہازوں کا بیڑا لے کر قبرص پر حملہ کردیا۔ "لارناکا" کے علاقہ میں سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں جانوس کو گرفتار کرلیا گیا۔ وہ آٹھ مہینے مملوک بادشاہ بارس بی کی قید میں رہا اور خراج کا وعدہ کرکے رہا ہوا۔ یہ تاریخ قبرص کی ایک تباہ کن لڑائی تھی۔ لیکن اس کے بعد مصر کے مملوک بادشاہ قبرص کی طرف سے بالکل مطمئن ہوگئے اور قبرص کے اس دور کے حکمران خاندان کو کبھی مملوک بادشاہوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ترکوں سے خطرہ

پندرھویں صدی کے آخر میں ترک ایک مضبوط طاقت کی حیثیت سے ابھر رہے تھے اور یورپ کی ساحلی حکومتیں ان کے وجود کو بہت بڑا خطرہ سمجھنے لگی تھیں۔ ترکوں سے خطرہ کا احساس سب سے پہلے وینس کے حکمران مینوزی کو ہوا۔ ترکوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کے سدباب کے لیے مینوزی کی نظر بھی قبرص پر پڑی۔ اس کو یہ خیال تھا کہ قبرص کی کمزور حکومت پر کسی وقت بھی ترک یلغار کرکے قبضہ کرسکتے ہیں۔ چنانچہ قبل اس کے کہ ترک قبرص پر قابض ہوں مینوزی کوشش کرکے قبرص پر قابض ہوگیا اور اس طرح قبرص پر وینس کے باشندوں کی حکومت کی ابتدا ہوئی۔ لیکن مینوزی کی حکومت ایک طرح کی فوجی حکومت تھی جو اس بنا پر قائم ہوئی تھی کہ یورپ کے ساحلی علاقوں کو ترکوں کی ترکتازیوں سے محفوظ رکھا جائے۔ مگر یہ حکومت ترکوں کی قوت و شوکت کا مقابلہ نہ کرپائی اور بہت جلد ان کی شمشیر خاراشگاف کا لقمہ بن گئی۔

قبرص پر ترکوں کا قبضہ

ترکیہ میں جب سلطنت عثمانیہ مستحکم ہوگئی تو اس نے اپنے ارد گرد کے جزیروں کو مرکز توجہ ٹھہرایا۔ سلطان سلیم ثانی کے عہد حکومت (جولائی ۱۵۷۰ء) میں ایک ترک جرنیل لالہ مصطفےٰ پچاس ہزار کی ترک فوج کے ساتھ قبرص کے ایک علاقہ "لارناکا" میں اترا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں اس سے کم و بیش ہزار سال پیشتر حضرت معاویہؓ اترے تھے۔ ترک سپاہی برابر آگے بڑھتے اور دشمن کو تیزی سے پیچھے دھکیلتے گئے۔ انھوں نے چند روز میں قبرص کے دارالخلافہ نکوسیا کے دروازے پر جا دستک دی۔ اس شہر کا محاصرہ کر لیا اور دو مہینے کے محاصرہ کے بعد پورا جزیرہ قبرص ترکوں کی اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا۔

تین سو سال تک جزیرۂ قبرص ترکوں کی عثمانی سلطنت کا جزو رہا۔ ترکوں کی بہت بڑی تعداد نے اسے مستقل طور پر اپنا وطن بنا لیا۔ یہ دور قبرص کی تاریخ کا بہترین دور تھا۔ اس عہد میں قبرص نے بڑی ترقی کی۔ ترکوں نے اس میں بنیادی اصلاحات نافذ کیں۔ جاگیرداری نظام کو ختم کیا۔ عیسائیوں کو کامل آزادی دی اور انھیں مسلمانوں کے برابر حقوق عطا کیے۔

قبرص انگریزوں کی تحویل میں

انیسویں صدی میں سیاسیات عالم کی بساط پر تبدیلیوں کی نئی لہریں اٹھیں۔ اس دور میں نہر سویز نے یورپ کے لیے بحیرہ روم کی اہمیت میں بہت اضافہ کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں روس اور برطانیہ دونوں حریف کی حیثیت سے ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ روس درۂ دانیال اور بحیرۂ باسفورس پر قابض ہونا چاہتا تھا اور اس کے لیے سلطنت عثمانیہ سے تصادم ناگزیر تھا۔ اس نے فوجی مقاصد کے لیے جزیرۂ قبرص کو استعمال کرنا چاہا۔ برطانیہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور روس کے خطرہ سے قبرص کو بچانے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ جون ۱۸۷۸ء میں سلطان ترکی نے جزیرۂ قبرص کو عارضی طور پر انگریزوں کی تحویل میں دے دیا۔

۱۹۱۴ء کی پہلی عالمگیر جنگ کے بعد برطانیہ نے قبرص کو مکمل طور سے اپنی حکومت کا

حصہ بنا لیا اور اس کے تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ یہ صورت حال دوسری جنگ عظیم کے بعد تک قائم رہی۔

انگریزوں کے خلاف بغاوت کا آغاز

دوسری عالمگیر جنگ کے ختم ہوتے ہی مقبوضہ ملکوں میں حریت و آزادی کی لہر دوڑ گئی اور قابض حکومتوں کے خلاف بغاوت کا ایک ہمہ گیر سلسلہ شروع ہو گیا۔ باشندگان قبرص بھی اس سے متاثر ہوئے اور پورے جزیرہ میں برطانیہ کے خلاف بغاوت و نافرمانی کے شعلے بھڑک اٹھے۔ قبرص کے آزادی خواہ طبقہ کا رہنما میکاریوس تھا۔ قبرص کے اصل باشندے بھی اور اس میں مقیم ترک بھی میکاریوس کی قیادت میں حصول آزادی کے لیے برطانیہ سے متصادم تھے۔ لیکن ان دونوں کے مقاصد مختلف تھے۔ ترک صرف قبرص کی آزادی اور اس کو انگریز کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے لڑتے تھے۔ مگر میکاریوس کے عیسائی ساتھی انگریزوں کے علاوہ ترکوں کے بھی دشمن تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جزیرۂ قبرص کو برطانیہ سے آزاد کرا کے یونان کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ انھوں نے ترکوں کی مخالفت میں برطانوی سپاہیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، اور ترک اقلیت کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔

قدرتی طور پر یونان کی ہمدردیاں بھی قبرص کو حاصل ہو گئیں اور یونان کا جرنیل گریفاس مسلح جہاز لے کر میکاریوس کی مدد کو پہنچا۔ میکاریوس اور یونان ایک تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ قبرص کا الحاق کلیتہً یونان کے ساتھ کر دیا جائے اور ترک اقلیت کو ختم کر دیا جائے۔ یہی چیز میکاریوس اور قبرص کے مسلمان ترکوں کے درمیان اختلافات کا نقطۂ آغاز بنی۔

یونانی جزیرۂ قبرص پر اپنا حق ثابت کرنے کے لیے کئی ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح سے قبل بھی یونانی باشندے یہاں پہنچتے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یونانی محبت کی دیوی (ایفروڈائٹ) قبرص ہی میں پیدا ہوئی تھی اسی لیے اس کو "جزیرۂ محبت" کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انطونی نے یہ جزیرہ قلوپطرہ کو محبت کے تحفہ کے طور پر دیا تھا۔ یونان

اور قبرص کے الحاق کے حامی دونوں کی ثقافت، تہذیب، معاشرت اور زبان کی وحدت کو بھی بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں۔

"ایوکا کی تشکیل"

قبرص کی مسلمان ترک اقلیت کو ختم کرنے اور قبرص کا یونان کے ساتھ الحاق کرنے کے لیے قبرص کے عیسائیوں نے اینوسس (Enosis) کے نام سے ایک جماعت بنائی۔ جس کا مطلب ہی الحاق ہے۔ آہستہ آہستہ اس جماعت اور تحریک کو ایک دہشت پسند تحریک میں بدل دیا گیا جس کا نام (Eoka) قرار پایا۔ اس کا مقصد قبرص سے ترک اقلیت کا بالکلیہ خاتمہ تھا۔

ایوکا دہشت پسندانہ سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ قبرص کے عیسائی مبلغ، سرمایہ دار اساتذہ، طلبا، اور تمام مسیحی سکول اور ادارے اس میں شامل ہو گئے۔ یونان اس کی پشت پناہی کے فرائض انجام دیتا تھا اور وہاں کا جرنیل گریفاس اس کا باقاعدہ رکن تھا۔ اس وقت ایوکا کے ارکان کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے، اور اس کا مقصد وحید قبرص کا یونان کے ساتھ الحاق اور مسلمان ترک اقلیت کو ختم کر دینا ہے۔ ۲۰ راکتوبر ۱۹۵۰ء کو قبرص کے موجودہ صدر میکاریوس کو جب پادری بنایا گیا تھا تو اس نے ان الفاظ میں حلف اٹھایا تھا۔

"میں مقدس حلف اٹھاتا ہوں کہ قوم کی فلاح و ترقی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دوں گا اور زندگی کے آخری سانس تک یہ کوشش کرتا رہوں گا کہ قبرص کا الحاق ہر صورت میں مادر وطن یونان کے ساتھ ہو جائے۔"

ترک اقلیت پر مظالم کی انتہا اور صلح نامہ

میکاریوس نے اپنے اس حلف پر سختی سے عمل کیا اور ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۸ء تک ترکوں کو انتہائی طور پر تشدد ظلم و ستم بنایا گیا۔ قبرص میں ترک اقلیت کے نمائندہ ڈاکٹر فاضل کوچک تھے۔ انھوں نے ان مظالم کے خلاف شدید احتجاج کیا اور پوری دنیا کو اصل صورت حال

سے آگاہ کیا۔ ان کے پیہم عمل و حرکت سے متاثر ہو کر ۱۹۵۹ء میں لندن میں تین طاقتوں کا اجتماع منعقد ہوا جس کا مقصد صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنا تھا۔ ان تین طاقتوں میں

۱۔ ایک برطانیہ تھا جو قبرص کی حکمران طاقت کی حیثیت رکھتا تھا۔

۲۔ دوسری طاقت یونان کی تھی جس کا موقف یہ تھا کہ وہ قبرص کی یونانی اکثریت کی محافظ ہے۔

۳۔ تیسری طاقت ترکی کی تھی جس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ قبرص کی ترک اقلیت کا تحفظ کرتی ہے۔

اب گفت و شنید نے معاملہ کو یہاں تک پہنچا دیا تھا کہ برطانیہ قبرص سے قطع علائق پر تیار ہو گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ چاہتا تھا کہ جزیرۂ قبرص کو ترکوں کے حوالے کر دیا جائے کیونکہ یہی اس کے پرانے حکمران ہیں اور برطانیہ نے ترکوں ہی سے عارضی طور پر یہ جزیرہ حاصل کیا تھا۔

لندن کے اس تین طاقتی اجتماع میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر طویل بحث ہوئی جس میں ان طاقتوں کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا کہ آئندہ قبرص برطانیہ کی گرفت سے آزاد ہو گا تو اس کے آئین کا ڈھانچہ اس طرح تیار کیا جائے گا کہ

قبرص کا صدر قبرصی یونانیوں کا باشندہ ہو گا

نائب صدر قبرصی ترکوں سے بنایا جائے گا۔

کابینہ میں دونوں قوموں کو مساوی حقوق دیے جائیں گے

اگر کوئی جھگڑا پیدا ہوا تو اسے برطانیہ، یونان اور ترکی (تینوں طاقتوں کی) باہمی گفت و شنید سے طے کیا جائے گا۔

آئین میں تبدیلی پر اصرار

۱۹۶۰ء میں برطانیہ نے قبرص کو آزاد کر دیا اور میکاریوس کو آزاد قبرص کا پہلا صدر

بنایا گیا۔ لیکن میکاریوس کے نزدیک یہ آئین قابل قبول نہ تھا کیونکہ اس میں قبرصی ترکوں اور قبرصی یونانیوں کو برابر کے حقوق دیے گئے تھے۔ اس نے قبرص کے ترک نمایندوں کو مجبور کرنا شروع کیا کہ وہ آئین میں اس قسم کی تبدیلی پر رضامند ہو جائیں کہ جس سے آبادی میں تناسب کے اعتبار سے حقوق کی تقسیم کی جائے۔

قبرص کی ترک آبادی کے نمایندہ ڈاکٹر فاضل کوچک تھے جو قبرص کے نائب صدر تھے۔ انھوں نے صدر میکاریوس کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ یہاں سوال اکثریت و اقلیت کا نہیں بلکہ دو قوموں کا ہے۔ یونانی ایک قوم ہیں اور ترک ایک قوم۔ دونوں کو مساوی آئینی حقوق ملنے چاہئیں۔

۲۱ر دسمبر ۱۹۶۳ء اور ترکوں کا قتل عام

میکاریوس کو جب اس گفت و شنید میں کامیابی نہ ہوئی تو اس کی تجویز سے قبرص کی دہشت پسند پارٹی "ایوکا" نے ترکوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۳ء کی تاریخ قبرص کی موجودہ ترک آبادی کے لیے انتہائی ہولناک تاریخ ہے۔ اس تاریخ کو جزیرۂ قبرص میں ترکوں کے قتل عام کا آغاز ہوا۔ ایوکا کے ارکان کا خیال تھا کہ اس قتل عام سے یا تو ترک اپنی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے آئین کو تبدیل کرنا منظور کر لیں گے یا ان کو جزیرۂ قبرص سے قطعی طور پر نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

۲۱ دسمبر سے ۲۶ دسمبر تک

۲۱ر دسمبر سے ۲۶ دسمبر تک یعنی پانچ دن قبرص کے دارالخلافہ "نکوسیا" میں مسلمانوں کو دل کھول کر قتل کیا گیا۔ نکوسیا کے گلی کوچوں میں قبرصی ترکوں کے خون کی ندیاں بہا دی گئیں۔ صدر میکاریوس اور عیسائی وزراء و حکام نے ترکوں کے بڑے بڑے خاندانوں کی خونشا نذہی کی اور ان کی آبادیوں میں مسلح شہریوں اور فوج کو بھیجا تاکہ ترک مسلمانوں کے وجود سے قبرص کی سرزمین کو بالکل صاف کر دیا جائے۔ پانچ دن کسی اخباری نمائندے کو نکوسیا میں داخل

نہیں ہونے دیا گیا کہ وہ ان ہولناک واقعات کو اخباروں میں نہ چھاپ دے۔

۲۶ ؍ دسمبر کی شام کو بڑی مشکل سے اخبارات کے نمائندوں اور نامہ نگاروں کو نکوسیا میں داخل ہونے کی اجازت ملی تو وہ ان خونی مناظر کو دیکھ کر جو "ایوکا" کے وحشت پسندوں نے ترک مسلمانوں پر ڈھائے تھے، حیران رہ گئے۔ ان کو تو یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ نکوسیا کے بازاروں میں خون مسلم کو اس بے دردی سے بہایا گیا ہوگا۔

۲۵ ؍ دسمبر کی رات کرسمس کی رات تھی۔ اس رات کو تو بہت ہی قتل و خون ہوا اور مسلمانوں کی آبادیوں کی آبادیوں کو جلا ڈالا گیا تھا۔ یوں کہیے کہ وہ ایک تحفہ تھا جو کرسمس کے موقع پر عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کو پیش کیا گیا۔

اقوام متحدہ کا کردار

قبرص کے اس خونی ڈرامہ پر اقوام متحدہ نے جو کردار ادا کیا وہ بہت ہی تعجب خیز ہے۔ اس دہشت و بربریت پر دنیا میں تہلکہ بپا ہوگیا۔ ۱۹۵۹ء میں تین طاقتوں (برطانیہ، ترکی اور یونان) کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کی رو سے قبرص کے ترکوں کے تحفظ کی ذمہ دار حکومت ترکیہ قرار پائی تھی اس نے میکاریوس کو تنبیہ کی اور اس خونی حرکت سے روکا لیکن اس نے کوئی پروا نہ کی۔ ترکی نے اقوام متحدہ کے دروازہ پر بھی دستک دی لیکن امریکہ جو اقوام متحدہ پر قابض و مسلط ہے اس مسئلہ پر فیصلہ کن اور مؤثر بحث کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ اقوام متحدہ کے رویہ سے یوں ہوتا ہے کہ وہ دل سے چاہتی ہے کہ ایوکا کی سفاکانہ سرگرمیاں بہرحال جاری رہنی چاہئیں اور میکاریوس کی حکومت کو بہرحال قبرص سے مسلمانوں کا خاتمہ کر ہی دینا چاہیے۔

اس موقع پر حکومت ترکیہ نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے قبرص کے مظلوم مسلمانوں کی حفاظت کے مسئلہ پر محض گفتگو کو ہی کافی نہ سمجھا۔ اس نے پچھلے دنوں اس مسئلہ پر میکاریوس کی حکومت کے خلاف تادیبی کارروائی کا اعلان بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ شہیدوں کا خون رنگ لائے گا۔ اس نے میکاریوس کو خبردار کیا کہ اس جزیرہ میں ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں گے کہ آئندہ

مظالم کا یہ سلسلہ بند ہو جائے اور مظلوم ترک بالکل امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ ترک حکومت نے قبرص کے خلاف جنگ اور جہاد کی بھی دھمکی دی ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بڑی طاقتوں میں سے در پردہ امریکہ اور برطانیہ کی حکومتیں میکاریوس کی حامی اور ترکوں کے قتل کی خواہاں ہیں۔ لیکن روس اور چین ترکوں کی حمایت کرتے ہیں۔ پاکستان، ایران، انڈونیشیا اور تقریباً تمام عرب حکومتیں ترکوں کی مددگار رہیں۔ پاکستان اس سلسلہ میں سب سے آگے ہے۔ ترک جزیرۂ قبرص کی تقسیم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تاکہ مسلمان علیحدہ ہو جائیں اور مظالم کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔ مگر میکاریوس اور اس کے حامی یہ نہیں چاہتے وہ سارے قبرص پر اپنا قبضہ ثابت کرتے ہیں۔ وہ وہاں سے ترکوں کو نکال کر یونان سے الحاق کے متمنی ہیں۔